Research Journal Ulum-e-Islamia
Journal Home Page: https://journals.iub.edu.pk/index.php/Ulum-e-Islamia/
ISSN: 2073-5146(Print) ISSN: 2710-5393(Online) E-Mail:muloomi@iub.edu.pk
Vol.No: 31, Issue:02. (Jul-Dec 2024) Date of Publication: 27-11-2024
Published by: Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

خلافت اسلامیہ کا جدید اسلامی معاشی مفکرین کی آراء کی روشنی میں نظاماتِ عصر سے تجزیہ وخاکۂ تقابل

Analysis and Outline Comparison of Islamic Caliphate with Contemporary Islamic systems in the Light of the Opinions of Modern Islamic Economic Thinkers

Qurrat-ul-Ain
Lecturer in Islamic Studies, Govt Degree Girls
Science, Arts & Commerce College, C-1 Area Malir,
Karachi. Email: qurratulainazhar@gmail.com.

Abstract

The source of governance in Islam is the institution of the caliphate and the essence of the caliphate. The distinction between caliph and caliphate is generally the same as what has historically been assumed throughout the world to be between the crown and the crown prince, but this is only partially true. There is not much difference between Khalifa and Khilafat. His position is that of the successor of Allah and then of His Messenger Hazrat Muhammad (Peace be Upon Him). One who uses all powers as a trust while remaining within the limits of the Shari'ah. He can explain the law but he cannot lay the foundation of any law. This position is the only example of its kind in the entire human history of the past. His method of governance is superior in all respects to the system offered by any other civilization. In the opinion of modern Islamic economic thinkers of the subcontinent, it is not only necessary but also mandatory to compare it with other systems of governance and economy of the present time so that the golden system of justice of Islam can be better understood. Nowadays, Islamic states are moving rapidly from Islamic republics to Western institutional democracies. Because these sources of power i.e. the people are now forgetting Islam as a religion and considering it as a mere religion. Therefore, the revival of Islam as a complete system of life, i.e. religion, has become very necessary. This can only happen when all the nuances of the West as well as the East are fully understood.

Keywords: Contemporary Systems, Islamic Caliphate, Revival of Islam

تعارف:

قرآن پاک میں حکومت اور اس کے متعلقات سے متعلق بیس سے زائد الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ امانت، وراثت، خلافت، امامت، ولایت، عمارت، نعمت، عہد، رشد، عزت اور قوت وغیرہ سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ لیکن ان میں سے تین اصطلاحات، امامت، امارت، خلافت زیادہ معروف ہیں۔

امارت:

قرآن پاک میں صاحب امارت کو اولوالامر سے یاد کیا گیا ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ.[1]

اے ایمان والو تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں سے صاحب حکم ہوں۔

حدیث شریف میں امیر کے الفاظ یوں وارد ہوتے ہیں:

جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔[2]

دور نبویؐ میں امیر کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا لیکن خلیفہ کے لئے خاص نہ تھا۔ بلکہ سپہ سالار حاکم، مالک، والی وغیرہ کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ بعد میں اس کا باقاعدہ استعمال کیا جانے لگا اور دور فاروقی میں یہ لقب باقاعدہ خلیفہ کے لئے مخصوص ہو گیا۔

امامت:

قرآن پاک میں یہ لفظ واحد کے طور پر استعمال کیا گیا ہے:

فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا۔[3]

حدیث شریف میں امام کو یوں یاد کیا گیا ہے:

پس امام (خلیفہ / امیر المومنین) لوگوں پر نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔[4]

خلافت:

اسلامی حکومت کو بھی خلافت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور زیادہ استعمال بھی اسی لفظ کا اسلامی ریاست و حکومت کے لئے ہی کیا جاتا ہے۔ خلافت کے معنی نیابت اور جانشینی کے ہیں۔ مگر کسی کی؟ یہ اہم سوال ہے کیونکہ مختلف آراء موجود ہیں۔ مثلاً:

- پہلا مسلک یہ ہے کہ وہ خلیفتہ اللہ ہے یعنی اللہ کا زمین پر جانشین۔
- دوسرا مسلک یہ ہے کہ وہ براہ راست اللہ کا خلیفہ نہیں بلکہ خلیفتہ الرسول ہے۔ کیونکہ جب حضرت ابو بکر کو خلیفتہ اللہ کہا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اللہ کے (براہ راست) نہیں بلکہ اس کے رسول کے جانشین ہیں۔ (جمہور علماء کا موقف یہی ہے۔)
- تیسرا مسلک یہ ہے کہ خلیفہ اپنے سے پہلے گزرے ہوئے خلیفہ کا جانشین ہوتا ہے حضرت عمر فاروق کو بھی سب سے پہلے خلیفہ خلیفتہ الرسول کہا گیا تھا۔
- چوتھا مسلک ایک عارضی اور غیر معروف مسلک ہے مگر پاکستان اور بھارت وغیرہ کے مسلمانوں میں عام ہے۔ وہ ہے خلیفۂ طریقت خلیفہ کی یہ قسم کسی پیر کے جانشین کی تصور کی جاتی ہے۔

قرآن پاک میں خلیفہ کا لفظ صرف ایک مقام پر آیا ہے جو کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے متعلق ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔[5]

تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

حدیث شریف میں باقاعدہ اس لفظ کا استعمال ہمارے ناقص علم کی حد تک نہیں کیا گیا ہے۔[6]

فرقوں کے زاویئہ نگاہ سے خلافت

- شیعہ اس فرقے کا بیانیہ یہ ہے کہ خلافت کا منصب آنحضرت کے خاندان کے ساتھ خاص ہے اور ان کا مخلصانہ خیال یہ ہے کہ خلافت کا حق صرف اہل بیت خاص طور پر حضرت علی کی اولادوں کو ہی ہے۔ خلیفہ علم شرعی کا مرکز اور قرآن و سنت کا درست فہم رکھتا ہے وہ اس کو امام کا لقب عطا کرتے ہیں۔
- خوارج کا عقیدہ شروعات میں یہ تھا کہ کوئی بھی آزاد عربی النسل شخص خلیفہ بن سکتا ہے بعد میں نسل کی شرط ختم کر کے محض بلند کردار مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا۔
- مرجئہ خلیفہ کے لئے مسلمان ہونا اور زبان سے کلمہ شہادت پڑھنے کو کافی گردانتے ہیں خلیفہ کے ذاتی افعال سے ان کو کوئی غرض نہیں۔
- معتزلہ ابتدا میں یہ فرقہ سیاست سے دور رہا تاہم بعد میں انہوں نے سیاست و خلافت پر بہت بحث و مناظرے کئے۔ ان کے مطابق امامت امت مسلمہ کا حق ہے۔ اللہ نے اس منصب کے لئے کسی خاص خاندان یا فرد کا تعین نہیں کیا ہے۔ بس ہر زمانے کے مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی کثرت رائے سے اپنا خلیفہ خود منتخب کر لیں۔[7]

خلافت اسلامیہ کی امتیازی شخصیات

خلافت اسلامیہ کی تین شخصیات انتہائی اہم ہیں۔ 1)۔ عالم / مفتی۔۔۔2)۔ قاضی۔۔۔3)۔ خلیفہ۔

عالم / مفتی:

اللہ کی ذات اسلام میں صرف معبود برحق ہی نہیں بلکہ وسیع تر سیاسی اور قانونی مفہوم بھی رکھتی ہے۔ قوانین کا ماخذ کلام الٰہی اور عملی جامع قوانین سنت رسول ہے۔ ہر ضرورت اور حالات میں ہر وقت شریعت سے رجوع کرنے کا حکم ہے۔ مگر یہ رجوع کیسے کیا جائے؟ اس کے دو ہی طریقے ہیں:

1. براہ راست ماخذات علم سے استفادہ کرنا جو کہ کئی علوم کا ماہر ہی کر سکتا ہے۔
2. اہل علم سے استفسار جو کہ کم علم شخص آرام سے کر سکتا ہے۔

حدیث شریف میں موجود ہے کہ "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔[8]

لیکن کیونکہ ہر فرد کے لئے ممکن نہیں کہ وہ دینی علوم کا صحیح فہم حاصل کر سکے لہٰذا یہ ذمہ داری اہل علم کو سونپی گئی ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے:

اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔[9]

اسی لئے علماء کرام نے انہی احکامات کو پیش نظر رکھ کر ہر علاقے کے لئے کسی اہل علم، مفتی، عالم کے وجود کے ہونے کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ جہاں ایسا شخص نہ ہو وہاں سے ہجرت کر لینی چاہیے۔ یہی علامہ ابن حزم کا مسلک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ملت کا فرض ہے کہ وہ ہر قصبہ و شہر میں کسی عالم کے وجود کو یقینی بنائیں۔

اس منصب کے لئے جن افراد کا تقرر کیا جانا چاہیے ان کی شرائط علمائے کرام نے یوں بیان کی ہیں کہ وہ مسلمان ہو، عاقل و بالغ ہو، شریعت کا عالم ہو اور شریعت پر عمل بھی کرتا ہو، نئے آنے والے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

عہد رسالتؐ میں اور دور صحابہ میں افتاء کا سلسلہ زبانی طور پر چلتا رہا افتاء کا دوسرا بڑا ماخذ خود آنحضرتؐ حیات تھے تو ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی فتوے کی۔ مگر بعض صحابہ کرام کو خود آپ نے فیصلے کی اجازت دی اور بعض صحابہ کرام نے مانگ لی۔ اس طرح انہوں نے بھی اجتہادات کئے ان میں حضرت علی، حضرت معاذ، حضرت حذیفہ، حضرت عمرو بن العاصؓ کے اسماء گرامی بھی موجود ہیں۔ دور صحابہ میں بھی یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔

تحریری اور زبانی فتاواجات دئے جاتے رہے۔ مفتی صحابہ کرام کی تعداد بھی بڑھ کر ایک سو تیس ہو گئی تھی. تابعین اور تبع تابعین کے دور کے قابل ذکر علماء کے اسمائے گرامی سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، عطاء، علقمہ بن قیس، قاضی شوریح، ابراہیم نخعی، حماد بن ابی سلیمان وغیرہ ہیں۔ فتاوی کے سلسلے میں اختلافات رائے دورِ صحابہ میں بھی تھی اور بعد کے ادوار میں بھی رہی لیکن تدوین حدیث فقہ کے دور میں ان میں بہت وسعت پیدا ہوئی۔ حدیث و آئمہ فقہ کے دور کے بعد اجتہاد کم رہ گیا اور تقلید میں اضافہ ہوا اس کی دو وجوہات تھیں۔(1)۔ خلافت اسلامیہ کی وحدت کا خاتمہ ہو رہا تھا۔(2)۔ نااہل سے افتاء کو نہ لینے کے لئے تقلید کو جاری رکھا جانے لگا۔ تاہم ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہر دور میں ایسے علماء موجود رہے جنہوں نے آلاء کلمتہ الحق کو بیان کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ اسی وجہ سے اسلام آج تک محفوظ ہے۔[10]

قاضی:

دین اسلام میں محکمہ قضاء کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسلام نے ایسا معاشرتی نظام مسلمانوں کو دیا ہے جس میں عدلیہ سب سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے اور یہ طاقتور عدلیہ قائم کرنا۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ اسلام کا نظام قضاء مرکزی اور حکومتی ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ نے جب میثاق مدینہ کا معاہدہ فرمایا تھا اس میں تحریر تھا کہ تمام افراد عدل و انصاف کی غرض سے صرف بارگاہ نبویؐ میں آئیں گے۔ آپؐ ہر معاملے کو حل فرماتے اور جہاں ضروری سمجھتے تو قضاء کی ذمہ داری کسی صحابیؓ کو بھی تفویض فرمادیتے۔ یعنی عہد رسالتؐ میں قضاء دراصل انتظامیہ کا ہی حصہ تھی۔ مقدمات کی تعداد بہت سے کم تھی لہٰذا باقاعدہ قاضیوں کا تقرر نہ کیا گیا۔ دور صدیقی میں ہر صوبے کا ایک والی مقرر کیا گیا تھا جس کا کام اقامت صلاۃ، تعلیم دین اور نظم و نسق کے امور اور لوگوں کے مابین تنازعات کا حل کروانا تھا۔ عہد فاروقی میں سلطنت میں توسیع ہونے کی وجہ سے اور امیر المومنین کی ذمہ داریوں کے بے تحاشہ بڑھ جانے کی وجہ سے ایک مستقل عدالت کی ضرورت محسوس کی۔ لہٰذا ہر صوبے میں مستقل اور آزاد قاضیوں کا تقرر بذریعہ خلیفہ ہوا۔ دور عثمانی اور دور علی المرتضی میں بھی یہی طریقہ جاری رہا۔ البتہ چونکہ کافی عدالتی نظائر جمع ہو چکے تھے ان نظائر سے بھی کام لیا جانے لگا۔ ان نظائر نے فقہی احکام کی تدوین میں بھی مدد دی۔

قاضی کا انصاف اتنا فوری ہوتا تھا کہ اس بات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قاضی کے لئے پیش کار یا کاتب نہ ہوتا تھا، ناعدالتی فیصلوں کے اندراج کا دفتر وجہ یہ تھی کہ فیصلہ ہوتے ہی اس کا اطلاق فریقین پر کر دیا جاتا تھا۔ ایمانی مضبوطی یہ تھی کہ کبھی قاضی کے فیصلوں پر کوئی اعتراض نا کیا گیا۔ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں باقاعدہ قاضی القضاء کا منصب قائم کیا گیا۔ جو تمام عدالتی امور کی نگرانی و ترجمانی کرتا تھا۔ دوسری صدی عیسوی کے آخری برسوں میں قاضی کے ساتھ صاحب المسائل یا مزکی مقرر کیا جانے لگا جس کا کام تفتیش کا ہوتا۔ بعد ازاں نورالدین محمود کے زمانے میں دارالعدل تشکیل دیا گیا یعنی باقاعدہ قضاء کا محکمہ وجود میں آگیا۔ علماء کرام نے قاضی کے لئے جو شرائط بیان کی ہیں وہ یہ ہیں کہ مسلمان ہو، عاقل و بالغ ہو، آزاد ہو، عادل ہو، مجتہد ہو۔

قاضی کے اختیارات قضاء کے علاوہ یہ بھی تھے کہ:

> وہ لوگوں کو حقوق دلواتا، کمزوروں (بچوں، فاتر العقل، مفلس وغیرہ) کی اموال کی حفاظت کرتا، اوقاف کی نگرانی، وصیتوں کا نفاذ، نادار عورتوں کے نکاح کی نگرانی، شرعی حدود کا اجراء، تعمیرات و اصلاحات کی دیکھ بھال گواہوں، امینوں اور نائبوں کی نگرانی، دارالزر (ٹیکسال) کی نگرانی، رویت ہلال کی ذمہ داری، جیلوں کی اصلاحات اور نگرانی۔

قضاء کے معاملات میں سب سے مساوی سلوک برتا جاتا تھا یہی اسلام کی شان ہے۔ عدلیہ کے سامنے مذہب، رنگ، نسل، طبقہ، منصب کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرام تک کو عدلیہ میں طلب کیا گیا اور وہ بحثیت امیر یا صحابی بن کر تشریف نہ لائے بلکہ ایک مسلمان بن کر آئے۔[11]

خلافت اسلامیہ کا عصری حکمرانی نظامات سے موازنہ

لغوی اعتبار سے نظام کسی خاص ہیئت حاکمہ کے ایسے اجتماع کا نام ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے جڑے ہوں اور ارتباط سے ایک وحدت کہلائے جائیں۔ نظام دراصل حقائق اصولوں اور ضابطوں کا مجموعہ ہے۔ جس کو باقاعدہ مرتب کیا گیا ہو اس کے تمام اجزاء میں منطقی ربط پایا جاتا ہو۔ نظام کے لوازمات درج ذیل ہوتے ہیں۔

- نظام کے اس اجتماع کی اکائیوں کے درمیان ربط ہو۔
- اکائیوں میں خارجی عوامل سے اثر پذیر ہونے کی قوت ہو۔
- خارجی عوامل کے انجزاب کی قوت ہو مگر اپنی ہیت ترکیبی پر اثر انداز نہ ہو۔
- نظام کی ہر اکائی انفرادی اور اجتماعی طور پر نظام کے مقاصد کے لئے ہی متحرک ہو۔

انسان کی معاشرتی زندگی کا قیام مختلف شعبوں سے عمل پذیر ہو کر ترتیب پاتا ہے۔ ان میں سیاست، معاشرت، معیشت، اخلاق، تہذیب، ثقافت وغیرہ شامل ہیں۔

ہر نظام چند معاشی مقاصد کے حصول کے لئے زیادہ تگ و دو کرتا ہے کیونکہ انسانی زندگی کی بقاء اس کی معیشت پر ہی انحصار کرتی ہے۔ زیادہ معاشی مقاصد کے حصول کے لئے جو نظام تنظیم پائے جاتے ہیں ان کا نظریہ افراد کی زیادہ سے زیادہ مادی بہبود ہوتی ہے۔ ان مادی معاشروں کے فرائض کا دو طریقے سے تعین کیا جاسکتا ہے۔

1. کون سی اشیاء خدمات پیدا کی جائیں اور کی مقدار کتنی ہو؟
2. اشیاء و خدمات کو پیدا کرنے کے لئے کون سے طریقے استعمال کئے جائیں؟

ان طریقوں یا قوانین یا اصولوں نظریوں کی بناء پر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ دولت کی گردش دولت کی سرگرمیاں اور گردش دولت کے نتائج کیا ہونے چاہیں۔ نجی اور سرکاری شعبوں کی حدود کا تعین بھی کیا جاتا ہے۔[12]

مختلف نظاموں کا آغاز کیسے ہوا اس بارے میں مغربی رائے یہ ہے کہ تاریخ کے نامعلوم عہد میں طاقتور انسان کمزور انسانوں کو ختم کر دیتا تھا۔ تاکہ اس کی عظمت ختم نہ ہو جائے۔ پھر اس کے دل میں مل کر رہنے کا جذبہ پروان چڑھنے لگا اور فرد سے افراد گھر سے خاندان خاندان سے قبیلہ اور قبیلے سے ریاست وجود میں آتی چلی گئی۔ پھر قبیلوں نے جب قومیت کا لبادہ اوڑھا تو فن حرب میں ترقی ہوتی چلی گئی۔ جنگی حربی سامان پیدا ہوا اس فن حرب کی بدولت جدید حکومتی سیاسی تنظیمات ظہور ہوا۔ ایک نکتہ اس سلسلے میں قابل غور یہ ہے کہ موجودہ حکومتوں کی ابتداء اور استحکام تنظیم اور ترقی اس جدید فن حرب کی بناء پر ہوئی۔

اسلام کا ایسی کسی حکومت اور نظام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام کا ارتقاء معاشرت حضرت آدمؑ کی پیدائش سے ہوا۔ عقیدہ ہے کہ پہلے انسان جو پیدا کئے گئے وہ پہلے نبی بھی تھے۔ یعنی انسانوں میں سب سے زیادہ اشرف انسان۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی روایات میں باپ کا مقام سب سے بڑا ہوتا ہے۔ اسلام کی نظر میں حکومت اللہ کے حکم سے پیدا ہوئی۔ اس لیے یہ معیاری بھی ہے اور آسان بھی قابل فخر بھی ہے اور قابل عمل بھی۔

دنیا کی تاریخ میں سینکڑوں حکومتوں کا ذکر ہے جن میں تین سو کے قریب نمایاں اور قابل ذکر سمجھی جاتی ہیں۔ ان سب میں ایک مشترکہ خامی پائی جاتی ہے. اور وہ ہے شخصی بادشاہت جو مطلق العنان ہوتی ہے۔ قدیم مصر میں حکومت کے تین طبقے ہوتے تھے. جن میں دولت فارس کے قیام تک بارہ خاندانوں کے ستر سے زائد بادشاہوں کا ذکر ملتا ہے۔ تقریباً چار ہزار سال تک انسانیت اس شخصی بادشاہت سے نجات نہیں پا سکی۔ چین میں مذہبی پیشوا فوجی نے پہلی حکومت قائم کی بعد ازاں مختلف خاندانوں نے حکومت پر قبضہ جمائے رکھا۔ ہندوستان میں آریہ آئے اور انہوں نے ملک کے اصل باشندوں کو غلام بنالیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان کے علاوہ باقی سب اچھوت، بھنگی، چمار، غلام وغیرہ تھے۔ ملک ایک تھا اور حکومتیں بہت زیادہ تھیں۔ راجاؤں، مہاراجاؤں، ٹھاکروں کی مطلق العنانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کمزور پڑ گیا۔ نینوا (موصل) میں سینس کا اقتدار

خاندان اقتدار کا مالک تھا۔ بابل میں بھی صرف نمرود کے لقب کے پچاس بادشاہوں نے مطلق العنان شخصی بادشاہت کی۔ فارس میں شہنشاہیت کے چار طبقے تھے۔ پیش دادی، کیانی، اشکانی اور ساسانی۔ ان چار طبقات کے بے شمار بادشاہ پر قابض رہے تاریخ عالم میں یونائی و روم بہت قابل ذکر مملکتیں تھیں۔ موجودہ دور کے جدید ترین نظریات یونان کی تہذیب سے بہت متاثر ہیں۔ مغربی علم السیاسیات یہ دعوی کرتی ہے کہ سیاست وریاست کی ابتداء یونان سے ہوئی۔ یونانی سیاست شہر اور سلطنت کو محض ایک لفظ پولیس کے نام سے یاد کرتے تھے یعنی ان کا تصور ریاست میں جغرافیائی حدود کی انتہائی قلت رکھتا تھا کہ شہر اور مملکت کے لئے ایک ہی تصورات تھے ان کے پاس۔ ان کی کمزور اصلاحات کی وجہ سے بہت قلیل عرصے میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ جدید نظام قدیم نظام سے کچھ انجذاب نہ کر سکا۔ اس لئے موجودہ مغربی تہذیب بے باکی، عیاشی اور مادر پدر آزادی پر گامزن ہو گئی۔ رومی حکومت اپنے دور کی انتہائی طاقتور حکومت تھی۔ رومی ریاست انتہائی توہم اور تعصب پرستی مبنی تھی۔ تصور اعلیٰ کی دوئی یہ تھی کہ بت پرستی بھی کی جاتی تھی اور دوسری طرف ان کا یہ خیال تھا کہ ان کی پیدائش ہی تمام کائنات پر حکومت کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ یونانیوں نے شہری مملکت کا تصور دیا اور عوم نے وہ قومی سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔ روم کے شہنشاہ کو لامحدود اختیارات حاصل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ذہنی اور اخلاقی حالت تباہ کن ہو گئی۔ ان کی تباہی کے پیچھے ان کی حرس بھی تھی جو یہ جذبہ جگائے رکھتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ فتوحات کی جائیں۔ مغربی بادشاہت کے دور میں عیسائیت کا مملکت سے اخراج ہو گیا کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

الغرض مغرب کے تمام اقتداروں میں بادشاہی موروثی بادشاہت قوموں کی تفریق طبقاتی امتیاز موجود تھا اور اب بھی موجود ہے۔[13]

قدیم نظاموں یا حکومتوں کے موازنے کے بعد اب وہ دو اہم نظام جو عصر حاضر میں پورے عالم پر چھائے ہوئے ہیں۔ مذہب چاہے کسی ملک کا کچھ بھی ہو رنگ و نسل کے اعتبار سے چاہے کتنی ہی دوری ہو ایک قوم ہو یا نہ ہو یعنی اسلام کے زریں اصولوں کے مطابق کافر مملکتیں ہوں یا موجودہ اسلامی جمہوریتیں سب کو ان دو نظاموں نے جکڑا ہوا ہے۔ مندرجہ ذیل میں ان کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔

کمیونزم یا اشتمالیت:

اشتمالیت ایک سیاسی اور معاشی نظام ہے جو ایک خاص معاشرہ بنانے کی کوشش کرتا ہے جس میں کوئی طبقہ نہیں ہوتا۔ بڑی ملکیتوں مثلاً کانوں اور کارخانوں پر عوام کا اختیار ہوتا ہے۔ کوئی ذاتی یا سرکاری املاک یا رقوم نہیں ہوتی دولت عوام کے درمیان مساوی تقسیم کر دی جاتی ہے یا انفرادی ضرورت کے مطابق یہ تمام اصول و قوانین اشتمالیت میں اس کے سب سے اہم مفکر کارل مارکس کے عطا کردہ ہیں یا اس کے ساتھی فریڈرک اینگلز کے جو ان دونوں نے مل کر اپنی کتاب The Communist Manifesto 1848 میں تحریر کئے تھے۔ بعد کے ادوار میں مختلف مفکرین نے اس نظریے میں اضافہ جات بھی کئے۔ پھر بھی اس نظریے کے ارتقاء کا سہرا صرف مارکس کو جاتا ہے۔ اہم ترین تبدیلیاں کرنے والوں میں سوویت راہنما ولادمیر لینن کے کام کو بھی اس سلسلے میں نمایاں کیا جاتا ہے۔ دنیا میں اس وقت صرف پانچ ممالک ایسے ہیں جن کا سرکاری ذریعہ ہی اشالیت ہے۔ حالانکہ یہ ممالک اشتمالیت کی مکمل تعریف پر پورے بھی نہیں اترتے۔

سوشل ازم یا اشتراکیت:

اشتراکیت ایک سماجی اور معاشی نظریہ ہے جو عوام کے بجائے ان کی ذاتی ملکیت پر اختیار رکھتا ہے۔ جائیداد قدرتی وسائل سب ریاستی ملکیت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ چیز جو لوگ پیدا کرتے ہیں سماجی ہوتی ہے لہٰذا اشتراکی معاشرے میں فرد آزاد تو ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ معاشرے کا رکن ہے تو ریاست اپنے تمام اراکین کے فائدے کے لئے اپنے تمام اراکین پر اختیار رکھتی ہے۔ اشتراکیت کے مطابق حقیقی آزادی اور حقیقی مساوات کے لئے وسائل پر سماجی اختیار کی ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ اشتراکیت پسندوں کے مطابق ذاتی چھوٹی اشیاء مثلاً لباس وغیرہ کے علاوہ ہر چیز عوامی ہونی چاہیئے سر تھامس مور نے ایک ایسے معاشرے کا تصور دیا جو یوٹوپیا 1516ء کہلاتا ہے۔ اسی قسم کے خیالات کا اظہار افلاطون نے اپنی جمہوریہ میں کیا تھا بلکہ وہ تو اشتراکیت کا ایسا نمائندہ تھا جو اس اشتراکیت میں ازواج اور اولاد کو بھی شریک کرتا تھا۔

اب جانچنا یہ ہے کہ اشتمالیت اور اشتراکیت ایک دوسرے سے کیسا تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے کیسے مختلف ہیں۔ یہ موضوع بحث برسوں سے مفکرین کے درمیان جاری ہے۔ بابائے اشتراکیت کارل ماکس نے ان دونوں اصطلاحات کو مترادفات کے طور پر استعمال کیا ہے۔ مارکس کے نظریے کے مطابق یہ ایک عبوری نظام ہے۔ جس میں محنت کش حکومت اور اقتصادیات پر اپنی گرفت رکھتے ہیں اور لوگوں کو ان کی محنت اور اچھے کام کے مطابق مراعات عطا کرتے ہیں اس نظام میں سرمایہ اور نجی ملکیت موجود رہتی ہے مگر محدود پیمانے پر اور اسی کو اشتراکیت کہا جاتا ہے۔ اشتمالیت کے بارے میں وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس میں کوئی طبقاتی تقسیم نہیں ہے۔ کوئی چیز حکومتی یا ذاتی ملکیت بھی نہیں ہے۔ تقسیم دولت کا اصول صلاحیت لے کر اس کی ضرورت کے مطابق ہے۔

کیپیٹلزم یا سرمایہ داری:

سرمایہ داری کو آزاد منڈی کی معیشت یا آزاد کاروباری معیشت بھی کہا جاتا ہے. یہ جاگیرداری نظام کے خاتمے پر مغربی دنیا میں مقبول ہونا شروع ہوا۔ اس میں اشیائے پیدائش کی رہنمائی تو کی جاتی ہے مگر ذرائع پیداوار نجی ملکیت ہوتے ہیں۔ منڈیوں کے ذریعے آمدنی کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ نظام کے طور پر سرمایہ داری ہی آبیاری سولہویں صدی عیسوی سے تیزی کے ساتھ ہوئی لیکن اس کے آثار قرون وسطیٰ میں بھی موجود تھے۔ سرمایہ داری کی ترقی مغربی کپڑوں کی صنعت کی ترقی سے ہوئی اس کی وجہ پیداواری صلاحیت کو بے انتہاء بڑھا دیا جانا تھا۔ اگرچہ اس میں عیسائی فرقے پروٹسٹنٹ کی اخلاقی کوششوں سے روایتی حقارت کم ہوگئی تھی۔ اس میں معاشی عدم مساوات کو اس بنیاد پر جائز قرار دیا گیا کہ امیر غریبوں سے زیادہ نیک تصور کئے جاتے تھے۔ مہنگائی کا سب سے زیادہ فائدہ سرمایہ داروں کو ہوا۔ پندرھویں صدوی سے سترہویں صدی تک قومی ریاستیں ظہور میں آنا شروع ہو چکی تھیں. سرمایہ داری کے فائدے کا سماج مزید ترتیب پاتا گیا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں تجارت سے زیادہ صنعت مستحکم ہونا شروع ہوئی تو اس کا بھی سب سے زیادہ فائدہ نجی سرمایہ داروں کو ہوا۔ سرمایہ داری کے نقیب ایڈم اسمتھ 1776ء نے اقتصادی فیصلوں کو خود کو منظم کرنے والی منڈی کی طاقتوں پر کھلا چھوڑنے کی سفارش کی اور دیکھا گیا کہ جاگیرداری نظام ٹوٹنے کے بعد اس کی سفارشات کو تیزی سے نافذ کیا جانے لگا۔ ان سفارشات میں آزاد منڈی کی تجارت نیو لبرل ازم ایک معاشی ماڈل ہے۔ جو آزاد منڈی اور سرمایہ دارانہ اصولوں پر مبنی ہے۔ ان اصولوں کو برطانوی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر اور امریکی صدر رونالڈ ریگن کی پالیسیوں کو بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں حکومت کی مداخلت اقتصادی ترقی میں کم سے کم ہوتی ہے۔ اس میں موٹی رقم سونے کی خرید و فروخت کو کنٹرول کرنا متوازن بجٹ اور غریبوں کو کم سے کم سرمایہ منتقل کرنے کی تجاویز شامل ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد بینکنگ کی بالادستی یورپ سے امریکہ منتقل ہوگئی۔ اس سے سرمایہ داری میں مزید ترقی ہوئی مگر بین الاقوامی منڈیاں سکڑ گئیں. کرنسی نوٹ کو قومی اور ملکی معیار حاصل ہونے لگا تجارتی رکاوٹیں بے انتہا بڑھ گئیں ایک عظیم طبقہ اشتمالیت کے نظریات کو پسند کرنے لگا۔ تاہم دوسری جنگ عظیم کے بعد سرمایہ داری نظام میں پھر قوت آنا شروع ہوگئی۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت دنیا میں کل 195 ممالک کی تعداد موجود ہے مگر ہمارے اعداد و شمار میں کل 189 ریاستیں شامل کی گئی ہیں۔ کچھ ممالک کو اعداد و شمار میں شامل نہیں کیا گیا جبکہ کچھ ممالک کو دو فہرستوں میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کی مجموعی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ نظام حکومت کی طرح متفقہ نہیں ہوتے اس لئے کسی بھی ملک کو سرمایہ دار یا اشتراکی یا اشتمالی قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ وہ خود اس بات کا اعلان نہ کر دے اور اوراق گزشتہ میں ہم نے جانا کہ اشتمالیت یا اشتراکیت کو خود ان کے بانیوں نے مترادفات کے طور پر استعمال کیا ہے لہٰذا ہمارے مطابق یہ ایک ہی ہیں۔ اب رہ گئی بات سرمایہ داری کی تو اس بارے میں یہ نکتہ نظر بھی ہے کہ سرمایہ داری اور اشتمالیت / اشتراکیت اپنے بنیادی فکر و فلسفے کے اعتبار سے ایک شجر یعنی مادہ پرستی کی دو شاخیں یا ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ اس لئے نتائج کے طور پر دونوں کے ثمرات ایک ہی جیسے ہیں۔ سرمایہ داری کے تحت سرمایہ داروں کو کھلی اجازت دے دی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کا معاشی استحصال جیسے چاہیں کریں اور منافع پر منافع کمائیں۔ کوئی اخلاقیات آڑے نہیں آتیں۔ اجتماعی مفاد پس پشت ڈال دیا جاتا ہے جبکہ اشتراکی / اشتمالی معاشرے میں اجتماعی ملکیت کے نام پر انسانوں سے ان کی

نجی ملکیت ہی نہیں بلکہ فکر و نظر ضمیر کی آزادی کو بھی صلب کر لیا جاتا ہے۔ گویا دونوں ہی انسانوں کے لیے مہلک ہیں۔ ان دونوں کے عمل پذیر ہونے سے جو معاشرے مرتب ہوتے ہیں ان کے درمیان حرس وہوس لالچ کی مماثلت پائی جاتی ہے۔[14]

جن مغربی نظاموں کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ ایک ہیں دو یا تین اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہمارا کام صرف اس مادہ پرستانہ نکتہ نظر کے ساتھ اسلام کا تقابل ہے جو پوری دنیا میں عمل پذیر بھی ہے اور پسندیدہ بھی۔ اس کی وجہ مغرب سے خواہ مخواہ کی مرعوبیت بھی ہے اور مغربی ممالک کی زبردستی بھی۔ اس اشکال کا جواب کہ صرف ان سے ہی کیوں تقابل کیا جارہا ہے اس کی وجوہات یہ ہیں کہ یہی وہ ملحدانہ نظریات ہیں جن کا اسلام کے ساتھ سابقہ ہے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ فلسفے نے ہی ہمیشہ وحی کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک طرف خدا دیا ہوا یقینی علم اور دوسری طرف انسان کا بنایا ہوا ظنی علم۔ لازمی امر ہے کہ وہ لوگ جو خدا کو نہیں مانتے یا کم از کم اس کا انخلاء اجتماعی نظام زندگی میں نہیں چاہتے ان کے نزدیک ان کے تصورات زیادہ بہتر بھی ہیں اور وہ ہر کسی کو ان پر عمل کروانے کے لئے یہ بے تاب بھی ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سے ان کی تعریفات لینے کی وجوہات یہ تھیں کہ نظام مغرب اہل مغرب کی نظر سے ہی سب سے پہلے دیکھا جائے مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اتنے اہم قاموس میں ان نظریات پر انتہائی سطحی طریقے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب ہم اپنے مفکرین کی نظر میں ان نظریات کو دیکھتے ہیں پھر ان کا تقابل اسلام کے ساتھ کیا جائے گا۔

علامہ شمس الحق افغانی (1961ء-1901ء) کی رائے

علامہ شمس الحق افغانی فرماتے ہیں کہ:

> اشتراکیت اور سرمایہ داری ایسے دو نظام ہیں جو مادی تہذیب کے فرزند ناخلف ہیں تاریخی تسلسل کے اعتبار. سے چونکہ سرمایہ داری پہلے وجود میں آئی اور اشتراکیت اس کے بعد لہٰذا سرمایہ داری مادر تہذیب مادی کا بڑا بیٹا ہے اور اشتراکیت چھوٹا ناخلف۔ ہم نے اسے ناخلف اس لئے کہا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ماں سے پیدا ہونے کے باوجود آپس میں برادرانہ تعلقات نہیں رکھتے بلکہ آپس میں برسرپیکار رہتے ہیں اور ان کی باہمی جنگ کا سلسلہ اسی طرح جاری ہے جس کے ختم ہونے کی امید نہیں یہ دونوں فرزند اپنی مادر مشفقہ یعنی مادی تہذیب کے حق میں بھی ناخلف ہیں کہ مادی تہذیب جو کچھ مادی راحت اور آسائش کا سامان مہیا کرتی ہے اور طویل محنت اور مسلسل جدوجہد سے جو کچھ تعمیر کرتی ہے یہ دونوں فرزند یا ان کی اولاد اور پیروکار عالمگیر جنگ برپا کر کے اس کو بھسم کر دیتے ہیں۔ ماں بیٹوں میں تعمیر و تخریب کی جنگ جاری ہے لیکن تاہنوز ماں اور بیٹوں کی اس جنگ میں قطعی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تاہنوز نا بیٹے پوری طرح تباہ ہوئے اور ناماں کا خاتمہ ہوا۔[15]

مولانا مودودی (1979ء-1903ء) کی رائے

مولانا مودودی سرمایہ داری اور اشتراکیت کو دو قریب قرار دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں:

> ایک بڑا دھوکہ وہ ہے جو زمانے میں اجتماعی عدل کے نام سے بنی نوع کو دیا جارہا ہے۔ شیطان پہلے ایک مدت تک دنیا کو حریت فرد اور فراغ دلی کے نام سے دھوکہ دیتا رہا اور اس کی بنیاد پر اس نے اٹھارویں صدی میں سرمایہ داری اور لادینی جمہوریت کا نظام قائم کروایا۔ ایک وقت اس نظام کے غلبے کا یہ حال تھا کہ دنیا میں اسے انسانی ترقی کا حرف آخر سمجھا جانے لگا اور ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو ترقی پسند کہلانا چاہتا ہو مجبور تھا کہ اس انفرادی آزادی اور. فراغ دلی کا نعرہ لگائے۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حیات انسانی کے لئے اگر کوئی نظام ہے تو بس وہ یہی سرمایہ داری نظام اور یہی لادینی جمہوریت ہے جو مغرب میں قائم ہے۔ پھر کچھ زیادہ دیر نہ لگی کہ وہی شیطان ایک دوسرا فریب اجتماعی عدل اور اشتراکیت کے نام سے بنالایا اور اب اس جھوٹ کے لباس میں وہ ایک دوسرا نظام قائم کروا رہا ہے۔ یہ نیا نظام اس وقت تک دنیا کے متعدد ملکوں کو ایک ایسے

ظلم عظیم سے لبریز کر چکا ہے جس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں پائی جاتی مگر اس کے فریب کا زور یہ ہے کہ بہت سے دوسرے ملک اسے اپنی ترقی کا حرف آخر سمجھ کر قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ ابھی اس کے فریب کا پردہ پوری طرح چاک نہیں ہوا۔[16]

ڈاکٹر اسرار احمد(2010ء-1932ء)کی رائے

ڈاکٹر اسرار احمد کے بقول:

اگرچہ اشتراکیت اور سرمایہ داریت دونوں بظاہر ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک مشرق ہے اور دوسرا مغرب لیکن اسلام کے مقابلے میں ان دونوں میں ایک قدر مشترک ہے یہ آپس میں تو متضاد اور مقابل ہیں لیکن اسلام کے مقابلے میں اپنے فکری پس منظر کے ساتھ ایک ہی تنے کی دو شاخیں ہیں۔ اسلام جہاں مادیت کے مقابلے میں روحانیت اور دنیاوی زندگی کے مقابلے میں آخرت کو دعوت دیتا ہے۔ یہ دونوں نظام صرف اور صرف مادہ پرستی کی بنیاد پر قائم ہیں۔ یہ فلسفہ مادیت ہی تھا جس نے ایک قدم آگے بڑھ کر جدلی مادیت کی شکل اختیار کر لی اور کمیونزم وجود میں آیا۔[17]

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی(1943ء)کی رائے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی کے مطابق:

سرمایہ دارانہ نظام نے مسائل کو حل کرنے کے لئے جو فلسفہ پیش کیا وہ یہ ہے کہ مسائل کو حل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ ایک ہی جادو کی چھڑی ہے وہ یہ ہے کہ ہر انسان کو زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے لئے آزاد چھوڑ دو اور پھر جب ہر شخص منافع کمانے کی فکر کرے گا اور آزاد جدوجہد کرے گا تو اس وقت یہ مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ سرمایہ دارانہ نظریہ یہ کہتا ہے کہ یہی قانون جو در حقیقت اس بات کا تعین کرتا ہے کہ کیا چیز پیدا کی جائے اور کس مقدار میں اور کس طرح وسائل کی تخصیص کی جائے ان سب چیزوں کا تعین در حقیقت طلب و رسد کے قانون سے ہوتا ہے۔ اس لئے جب فرد آزاد ہے تو وہ وہی کرے گا جس کی طلب مارکیٹ میں زیادہ ہے۔ اشتراکیت جب میدان میں آئی تو اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ فرد نے معیشت کے سارے اہم اور بنیادی وسائل کو بازار کی اندھی اور بہری قوتوں کے حوالے کر دیا ہے۔ اس لئے فرد اس چیز کو جب ہی پیدا کرے جب اس کی طلب ہو گی۔ عملی میدان میں اصول کام نہیں کرتا طلب میں بغیر سوچے سمجھے اگر بڑھوتری کی جائے گی تو کساد بازاری پیدا ہوتی جاتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے ایک جادوئی چھڑی پیش کی تھی اور اشتراکیت نے چھڑی پیش کر دی کہ سارے وسائل پیداوار انفرادی ملکیت میں رکھنے کے بجائے اجتماعی ملکیت میں لائے جائیں۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ سارے وسائل پیداوار حکومت کی تحویل میں دے دئے جائیں اور حکومت ان وسائل کی منصوبہ بندی کرے۔ چونکہ اشتراکی معیشت میں یہ سارے کام حکومت اور منصوبہ بندی کے حوالے کئے گئے ہیں۔ اس لئے اس طرح کی معیشت کو منصوبہ بند معیشت بھی کہتے ہیں سرمایہ دارانہ معیشت نے چونکہ اپنے وسائل کو مارکیٹ کی اور طلب کی قوتوں پر چھوڑ دیا ہے اس لئے اس کو بازاری معیشت اور عدم مداخلت معیشت بھی کہتے ہیں۔[18]

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری کی رائے

اس حوالے سے ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری کی رائے ہے کہ:

سرمایہ داری ایک نظام زندگی ہے لیکن اس کی نظریاتی توجیہات بہت سی ہیں مثلاً لبرل ازم سوشل ازم سوشل ڈیموکریسی. قومی پرستی انارکزم پوسٹ ماڈرن ازم یہ سب سرمایہ دارانہ نظریات ہیں۔ کیونکہ یہ سب بنیادی سرمایہ دارانہ مابعد الطبیعیاتی مفروضوں پر اعتقاد رکھتی ہیں اور یہ سب انسانوں کو human being بنانے کی جستجو کرتی ہیں۔ یہ سب آزادی مساوات اور ترقی کو بحیثیت اہداف کے قبول کرتی ہیں۔ ان سب کا دعویٰ ہے کہ انسان ایک خود تخلیقی مطلق العنان اور قائم بالذات وجود ہے اور معاشرت اور ریاست کی تنظیم کا مقصد اعلیٰ انسان کی ربوبیت اور مطلق العنانیت کو فروغ دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں. سرمایہ داری کا تصور کارل مارکس کی ایجاد ہے اور وہ ہمیشہ اپنے آپ کو سرمایہ داری کا حریف سمجھتا رہا وہ سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی عقائد (آزادی مساوات اور ترقی) پر کامل ایمان رکھتا تھا۔ ہر وہ شخص جو ان عقائد پر ایمان لائے وہ ایک سرمایہ دار ہے۔ ان تین اہداف کے لئے مارکس نے اپنے طالب علمی کے زمانے سے اپنی موت تک یعنی تقریباً پچاس سال سے زائد کا عرصہ مستقل فکری اور سیاسی جدوجہد میں صرف کیا۔[19]

خاکۂ تقابل برائے اشتراکیت، سرمایہ داری واسلام

نمبر شمار	نقطہ	اشتراکیت	سرمایہ داری	اسلام
1	اخلاقیات	غیر ضروری شئے	غیر ضروری شئے	اخلاقات پر زور
2	محنت	مزدور کا استحصال (خفیہ)	مزدور کا استحصال (اعلانیہ)	مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا کرو
3	حقوقِ ملکیت	حکومتی ملکیت	سرمایہ دار کی ملکیت	فرد کا حقِ ملکیت ہے۔ مگر زکوۃ فرض ہے اور صدقات سنتؐ
4	مراعات	حق سے کم دی جاتی ہیں	زیادہ سے زیادہ غصب کی جاتی ہیں	حق دار کو اس کا حق دو
5	پاسداری	مصنوعی طور پر کی جاتی ہے	بالکل نہیں کی جاتی	پڑوسیوں، غلاموں، یتیموں، مسافروں، کی دیکھ بھال اخلاقی فرض
6	چند اقدار	ترقی، مساوات	آزادی، ترقی، مساوات	عبدیت
7	مقاصد میں اختلاف	معاشی خوشحالی	مادی خوشحالی	صرف اور صرف رضائے الٰہی
8	آزادی	من مانی آزادی	مادر پدر آزادی	محدود آزادی (دین کے دائرے کے اندر)
9	مسابقت	مسابقتِ مال (معتدل)	مسابقتِ مال (غیر معتدل)	پرہیز گاری میں سبقت اہلِ عصر کے درمیان
10	معاونت	تعاون برائے معاش	تعاون برائے لالچ، حرص، ہوس، حسد	تعاون برائے فلاحِ انسانیت
11	نتائج (آخرت)	غیر یقینی	عیش وعشرت	آخرت پر زور، دنیا کی آسائش کی کوئی حیثیت نہیں

12	روحانیت	کوئی جگہ نہیں	کوئی ضرورت نہیں ہے	نفخت فیہ من روحی
13	ارتکازِ دولت	دولت جمع کر کے اس کی حفاظت کی جاتی ہے	زیادہ سے زیادہ دولت اکھٹا کی جاتی ہے	دولت جمع کرنے کی ممانعت
14	سود	انتہائی ضروری	رکنِ معیشت	منادی ہے
15	حلال و حرام	ہر شئے حلال ہے	ہر شئے حلال ہے	حلال الگ ہے اور حرام الگ دونوں میں واضح فرق ہے
16	منصوبہ بندی	معاشی خوشحالی کی منصوبہ بندی	اپنی خوشحالی اور دوسروں کے استحصال کی منصوبہ بندی	منصوبہ بندی برائے مضبوطیٔ تعلق (عبد اور معبود کے درمیان)
17	مذہب	دشمن سمجھا جاتا ہے	انفرادی معاملہ سمجھا جاتا ہے	اصول و قوانین متعین کرتا ہے
18	ذاتی منافع کا محرک	حکومتی مشین کا پرزہ	سرمایہ پیدا کرنے والی اکائی	معاشرے کی بہبود اور ذاتی تسکین
19	حکومتی اختیارات	ریاست مالک ہے	سرمایہ دار مالک ہے	اللہ تمام کائنات کا مالک ہے
20	تقسیمِ دولت	حکومت متعین کرتی ہے	سرمایہ دار متعین کرے گا	شریعت متعین کرے گی
21	افسر شاہی	افسر شاہی سے نجات ممکن نہیں	افسر شاہی کی آبیاری	شورائی نظام ہے
22	صارفین سے تعلق	حکومتی سرپرستی کا تیار شدہ مال زبردستی دیا جاتا ہے	صارفین کی قوتِ خرید کو فریب سے بڑھایا جاتا ہے	حلال و حرام کے دائرے میں ضرورت کے مطابق خریداری
23	بنیاد	الحاد بنیاد ہے	زرپرستی بنیاد ہے	قرآن و سنتؐ، اجماع و قیاس[20]

مصادر ومراجع:

---

[1]۔ 4/59

[2]۔ بخاری، بن اسماعیل، محمدؒ، (194ھ تا256ھ)، الجامع الصحیح بخاری، بین الاقوامی حدیث نمبر7137/7563

[3]۔ 2/124

[4]۔ بخاری، بن اسماعیل، محمدؒ، (194ھ تا256ھ)، الجامع الصحیح بخاری، بین الاقوامی حدیث نمبر7138/7563

[5]۔ 2/30

[6]۔ اقبال، محمد زاہد، مولانا، (2008ء)، اسلامی نظام خلافت اور ہماری ذمہ داریاں، ادارہ نشریات محمود حسن، لاہور، ص129 تا140

[7]۔ ابراہیم، حسن، ڈاکٹر، و، حسن، ابراہیم، علی، (1975ء)، النظم الاسلامیہ: مسلمانوں کا نظم مملکت، مترجم: مولوی علیم اللہ صدیقی، دارالاشاعت، کراچی، ص24 تا28

[8]۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابوعبداللہ، (824ھ، 886ھ)، سننِ ابن ماجہ، بین الاقوامی حدیث نمبر224/4341

[9]۔ 16/43

[10]۔ بخاری، عبدالرحمان، سید، (ت ن)، اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے، مرکزِ تحقیق دیال سنگھ لائبریری، لاہور، ص26 تا36

[11]۔ ایضاص13 تا24

[12]۔ ڈار، عبدالحمید، عظمت، محمد، و، اکرام، میاں محمد، (2014ء)، اسلامی معاشیات، علمی کتب خانہ، لاہور، ص83 تا85

[13]۔ غازی، حامد الانصاری، مولانا، (ت ن)، اسلام کا نظام حکومت، مکتبۃ الحسن لاہور، ص417 تا465

[14]۔ ڈار، عبدالحمید، عظمت، محمد، و، اکرام، میاں محمد، (2014ء)، اسلامی معاشیات، علمی کتب خانہ، لاہور، ص113

[15]۔ افغانی، شمس الحق، علامہ، (1983ء)، اسلامی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلام کا معاشی نظام سے موازنہ، جامعہ علوم اسلامیہ زرگری، کوہاٹ، ص107

[16]۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مولانا، (1969ء)، معاشیات، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص375 تا376

[17]۔ احمد، اسرار، ڈاکٹر، (1985ء)، اسلام کا معاشی نظام، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ص42

[18]۔ عثمانی، محمد تقی، مولانا، (1993ء)، اسلام اور جدید اقتصادی مسائل، میمن اسلامی پبلشرز، کراچی، ص16 تا21

[19]۔ انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، (2019ء)، سرمایہ داری کے نقیب، لیگیسی بکس، لاہور، ص26و27-123و124

[20]۔ صدیقی، محمد نعیم، پروفیسر ڈاکٹر، (2015ء)، اسلام اور جدید معاشی تصورات، مکتبہ دانیال، لاہور، ص128 تا134